جناب سید نفیس رقم۔ لاہور

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے آخری سفرِ پنجاب کی روح فرسا رُوداد

عبرت انگیز نتائج ثقہ راویوں کی زبانی

پندرہ بیس برس پیشتر حضرت مفتیِ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "اُسوۂ حسینی" نظر سے گزری۔ یہ کتاب ریحانۃ النبی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حالاتِ مبارک اور واقعاتِ شہادت پر مشتمل ہے۔ آخر میں قاتلانِ جگر گوشۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انجامِ نازجام کا ذکر کیا ہے۔ امام زہریؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "جو لوگ قتلِ حسینؓ میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جسکو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔"

چند مثالیں پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے، کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔ میں خود اُن کے قتل میں شریک تھا۔ میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا۔ جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا۔ سدی کہتے ہیں، میں نے خود اُس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔"

ص ۱۰۱، ص ۱۰۲

اللہ کے جو بندے اپنی تکلیف پر اپنا معاملہ اپنے اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے دشمنوں سے شدید انتقام لیتا ہے۔ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَام۔

نہ جا اس کے تحمّل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اسکی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

ہمارے عہد کو بھی ایک حُسینؒ عطا کیا گیا جس کا نسبی و حسبی رشتہ شہیدِ کربلا سیدنا حسینِ اوّل

رضی اللہ عنہ سے پیوست ہے۔ یعنی شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ــــ اس حسینِ ثانی پر مصیبتوں کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹے لیکن اس کوہِ عزم واستقلال کو جنبش تک نہ ہوئی۔ مخالفوں نے کیسے کیسے تیر اُن پر برسائے، لیکن ان کا چہرہ متبسم ہی رہا۔ حریفوں نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں لیکن اُن کے لب پہ حرفِ شکایت تک نہ آیا۔

انہوں نے اپنی عمر عزیز استخلاصِ وطن اور سربلندیٔ اسلام کی جدوجہد میں گزاری۔ انگریز اور اُس کے رضاکار ہمیشہ اُن کی مخالفت میں زبان دراز رہے، لیکن اس مجاہدِ دین وملّت اور غازیٔ سربکف نے آنکھ تک اٹھاکر نہ دیکھا کہ یہ کوتاہ بین و کور باطن کیا کہہ رہے ہیں۔

میدانِ عزیمت کا یہ شہسوار محمدی علَم لہرائے آگے بڑھتا ہی چلا گیا۔ راستے کی تاریکی اُس کے انوارِ شریعت وطریقت سے چھٹ گئی۔ اس کا راستہ روکنے والوں کو غبار کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور کانٹے بچھانے والوں کو خود اُسی راستے سے گزرنا پڑا۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔

ایک ہندی دوہا جو غالباً عبدالرحیم خانخاناں کا ہے، حسبِ حال نظر آتا ہے ؎

جو تُو کو کانٹا بوئے تاہی بوئے تُو پھُول
تو کو پھُول کے پھُول ہیں واکو ہیں ترسُول

ترجمہ :- جو تیرے لئے کانٹے بوئے تو اس کے لئے پھول بو، تیرے لئے تو پھُول کے پھُول ہیں اور اس کے لئے تین تین نوک والے کانٹے۔

حضرت مدنی قدس سرہٗ عفو و درگذر کا پیکر تھے۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کے لئے کبھی بد دعا نہیں فرمائی بلکہ دعائے نیم شبی میں سب کے لئے اپنے مالک سے فضل وانعام اور عفو ومغفرت مانگتے رہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے حالات و واقعات اکثر وبیشتر سننے میں آتے رہے ہیں۔ راقم سطور نے جناب عطاء الحق وحافظ عبدالرحمٰن جالندھری۔ (حال مقیم محلہ گورو نانک پورہ لائل پور) جو سیدی ومولائی قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) سے تعلق بیعت رکھتے ہیں۔ کی زبانی بعض ناخوشگوار واقعات کئی مرتبہ سُنے۔ ان واقعات کے وہ ثقہ راوی ہیں نتائج کے بارے میں اُن کی حیثیت عینی گواہوں کی ہے۔ گذشتہ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ میں ان واقعات کو سپردِ قلم کرنے کی نوبت آگئی۔ بھائی عطاء الحق بیان کرتے گئے اور میں قلمبند کرتا چلا گیا۔ یہ واقعات حقیقت ہیں افسانہ نہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ جگر گوشۂ رسولؐ کی توہین کرنے والوں کا حشر کیا ہوا۔

تقسیم برّصغیر (اگست ۱۹۴۷ء) سے چند ماہ پیشتر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ دیو بند سے پنجاب تشریف لائے، مختلف شہروں میں رونق افروز ہوئے۔ مقصد سفر پورا کرنے کے بعد لاہور سے کالکا میل میں سوار ہوئے، اسی گاڑی سے مشہور مسلم لیگی لیڈر راجہ غضنفر علی خان کے سفر کا پروگرام تھا، اتفاقاً اس کا سفر ملتوی ہوگیا، لیکن پروگرام کے مطابق ہر اسٹیشن پر مسلم لیگی کارکن استقبال کے لئے موجود تھے۔

جب گاڑی امرتسر ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو مسلم لیگی کارکن راجہ غضنفر علی کو تلاش کرنے لگے۔ ریلوے گارڈ نے کارکنوں کو بتایا کہ راجہ صاحب کا پروگرام ملتوی ہوگیا ہے، وہ اس گاڑی سے سفر نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس نے شرارتاً انہیں بتایا کہ اس گاڑی کے فلاں ڈبے میں مولانا حسین احمد مدنی سفر کر رہے ہیں۔ اس پر وہ تمام مسلم لیگی کارکن اس ڈبے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور حضرت کے خلاف نعرہ بازی اور ہلڑ بازی شروع کردی۔ ٹماٹر وغیرہ ان پر پھینکنے لگے، اتفاقاً امرتسر ہی کا ایک نوجوان عبدالرشید اپنا مال بک کرانے کی غرض سے سٹیشن پر آیا ہوا تھا۔ اس نے ایک ڈبے کے پاس ہجوم دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ کے ساتھ یہ لوگ نہایت بدتمیزی کر رہے ہیں، وہ حضرت مدنیؒ کو جانتا بھی نہیں تھا۔

بھائی عطاء الحق صاحب کو یہ واقعہ خود عبدالرشید نے پنڈی میں سنایا۔ عبدالرشید، امرتسر میں فروٹ کا کمیشن ایجنٹ تھا، وہ تقسیم ملک کے بعد راولپنڈی میں مقیم ہوا، یہاں بھی وہ یہی کاروبار کرتا تھا، عبدالرشید نہایت صحتمند نوجوان تھا۔ اس نے جان پر کھیل کر حضرت اقدس مدنیؒ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ مجمع ڈبے کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا، عبدالرشید ڈبے کے دروازے میں پائدان پر ڈٹ کر کھڑا ہوگیا۔ مسلم لیگی مجمع اس پر ٹوٹ پڑا اور اس کو بیدریغ زدوکوب کیا حتیٰ کہ اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے لیکن اس مرد مجاہد نے حضرت مدنیؒ کی طرف ہجوم کو بڑھنے نہ دیا۔ حتیٰ کہ گاڑی چل پڑی، اور وہ پلیٹ فارم پار کرنے کے بعد گاڑی سے چھلانگ لگا کر نیچے اترا۔

جب یہ گاڑی جالندھر ریلوے سٹیشن پر پہنچی، یہاں کے مسلم لیگی کارکن بھی راجہ غضنفر علی خان کے استقبال کے لئے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ گاڑی رکتے ہی گارڈ نے انہیں راجہ کے پروگرام کے التوا کی خبر دی، اور حضرت مدنیؒ کی نشاندہی کی جس پر وہ مجمع حضرت کے ڈبے پر جا پہنچا، اور وہی طوفان بدتمیزی شروع کر دیا، اس مجمع کے سرغنہ تین مسلم لیگی نوجوان شمس الحق عرف شمی، فضل محمد، اور فتح محمد تھے۔

فضل محمد اور فتح محمد جالندھر کے محلہ پرانی کچہری اور شمس الحق عرف شمی محلہ عالی کا رہنے والا تھا، انہوں نے حضرت اقدس مدنیؒ کی توہین میں کوئی کسر نہ چھوڑی، گالیاں دیں، گندی چیزیں پھینکیں، حضرت کا تکیہ چھینا، ٹوپی بھی اتار پھینکدی، ریش مبارک نوچی اور شمی نے تھپڑ بھی مارا۔ حضرت مدنیؒ صبر جمیل کی مجسم صورت بنے بیٹھے

تھے، حضرت کے ساتھ ایک خادم بھی تھا، وہ اس صورتِ حال کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے مزاحمت کا ارادہ کیا، تو حضرت نے اسے منع فرمایا کہ تم خاموش رہو، اگر تم یہ برداشت نہیں کر سکتے تو دوسرے ڈبے میں چلے جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اتنے میں گاڑی چل دی اور مسلم لیگی کارکن اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

صبح کو ان مسلم لیگی کارکنوں نے فخریہ انداز میں رات کا واقعہ اپنے محلہ پرانی کچہری میں بیان کیا، اس محلہ میں خانقاہ عالیہ رائے پور (ضلع سہارنپور) سے تعلق رکھنے والوں کا ایک نہایت با اثر حلقہ تھا، یہاں قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت منشی رحمت علی صاحب قدس سرہما کی تشریف آوری ہوتی تھی، ان لوگوں نے جب حضرت اقدس مدنیؒ کی توہین کا روح فرسا واقعہ سنا تو ان پر اس کا نہایت شدید اثر ہوا، عبدالحق بن چوہدری فضل محمد (حال مقیم گلی ۳ محلہ گورونانک پورہ لائلپور) نے فتح محمد کی زبانی گستاخانہ کلمات سنے تو وہ برداشت نہ کر سکے، انہوں نے موقع پر ہی اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اور کہا کہ اب بتاؤ رات کیا قصہ ہوا تھا، اور ساتھ ہی زور دار تھپڑ بھی اسے رسید کر دیئے۔ جس پر فتح محمد جو فخریہ اپنا کارنامہ بیان کر رہا تھا، ساکت ہو گیا، اور اسے جرأت نہ ہو سکی کہ وہ کوئی بات کر سکے، اتنے میں چوہدری امام الدین صاحب (والد بھائی عطاء الحق صاحب) بھی آ گئے، انہیں جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا جوتا اتار لیا اور فتح محمد کی خوب پٹائی کی۔ حتیٰ کہ فتح محمد نے ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی مانگی۔ چوہدری امام الدین صاحب نے تنبیہ عام کر دی کہ اگر کسی نے ہمارے بزرگوں کے خلاف زبان درازی کی تو اس کا حشر برا ہو گا۔ ہم اسے کیفرِ کردار تک پہنچا کر چھوڑیں گے۔

دوسرے سرغنہ فضل محمد کا حشر یہ ہوا کہ وہ رات کو جب اپنے گھر واپس پہنچا تو اسے بخار ہو گیا۔ صبح بیدار ہوا تو اسکی پشت پر دو پھوڑے (دنبل) ظاہر ہوئے، جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پھر چارپائی سے اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ اور سخت تکلیف میں کراہتا تھا۔ پانچ چھ روز کے بعد چوہدری امام الدین نے اسکی والدہ سے جو دکان پر سودا خریدنے کے لئے آئی تھی، پوچھا کہ فضل کئی روز سے نظر نہیں آیا۔ اس نے بتایا کہ وہ سخت بیمار ہے، اسکی پشت پر پھوڑے نکل آئے ہیں ——— بھائی عطاء الحق صاحب کا بیان ہے کہ پھوڑوں میں کیڑے پڑ گئے اور انہوں نے جسم کو کھانا شروع کر دیا۔ پھوڑے تین انچ قطر سے کم نہیں تھے، ڈاکٹروں نے یہ تجویز کیا کہ ان ناسوروں میں روزانہ قیمہ بھر دیا جائے، تاکہ کیڑے جسم کو نہ کھائیں، چنانچہ روزانہ پاؤ پاؤ بھر قیمہ ان دونوں ناسوروں میں بھرا جاتا تھا، دن بھر میں کیڑے اسکو کھا جاتے تھے، دوسرے روز نئے سرے سے قیمہ بھرا جاتا تھا ——— چند ماہ بعد ملک تقسیم ہو گیا۔ اور آبادیوں کا تبادلہ شروع ہوا۔ محلہ پرانی کچہری

کے سب لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ریفیوجی کیمپ واقع جالندھر چھاؤنی میں منتقل ہو گئے، لیکن خدا کی شان کہ فضل محمد اور فتح محمد اپنے اہل وعیال سمیت وہیں رہے۔ حالانکہ ان کے رشتہ داروں نے ہر چند اصرار کیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ آجاؤ، لیکن انہوں نے کسی کی نہ مانی، دوسرے دن فضل محمد اور فتح محمد نکلنے پر مجبور ہوئے، فضل محمد ایک ہندو کارخانہ دار بھولا ناتھ کا ملازم تھا، وہ مع اہل وعیال اس کے ہاں چلا گیا۔ فتح محمد بھی پناہ حاصل کرنے کی غرض سے گھر سے اپنی بیوی اور چھ سات بچوں کے ساتھ نکلا۔ لیکن راستے ہی میں ایک سکھ جتھے کے ہاتھوں ریلوے پھاٹک (نزد اڈہ ہوشیار پور) اہل وعیال سمیت بری طرح سے قتل کر دیا گیا۔

فضل محمد چھ سات روز کے بعد اپنے مالک بھولا ناتھ کی مدد سے ریفیوجی کیمپ واقع جالندھر چھاؤنی میں اہل وعیال سمیت پہنچ گیا۔ فضل محمد مرض سے اس قدر تنگ آچکا تھا کہ وہ موت کی دعائیں کرتا تھا، چاہتا تھا کہ اسے کوئی مار ڈالے لیکن قدرت تو اسے نمونہ عبرت بنانا چاہتی تھی۔ وہ زندہ سلامت لاہور پہنچ گیا۔ محلہ پرانی کچہری جالندھر کے تقریباً تمام افراد انجنیئرنگ کالج کے ہوسٹل نزد ریلوے اسٹیشن عقب اسٹریلیا بلڈنگ میں یکے بعد دیگرے آکر مقیم ہوتے رہے۔ فضل محمد بھی بیوی بچوں سمیت وہاں آگیا۔ اسکی حالت یہ تھی کہ دن رات بے چین و بے قرار رہتا تھا، اور ہر وقت تکلیف سے کراہتا رہتا تھا۔ اسکی نیند حرام ہو چکی تھی، وہ ننگے بدن صرف ایک تہبند باندھے رہتا تھا، اس حالت میں وہ ایک ماہ لاہور میں مقیم رہا، پھر وسط اکتوبر میں وہ لائلپور آگیا۔ اور محلہ گورو نانک پورہ گلی ۴ میں جہاں محلہ پرانی کچہری جالندھر کے رہنے والے بیشتر لوگ آباد ہو چکے تھے وہیں آگیا، اس کا مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔ یہاں چند ماہ بعد اس کا اسی بیماری کی حالت میں انتقال ہو گیا۔ اسکی میت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسکی لاش ایسی متعفن ہو گئی تھی کہ غسل دینے کو کوئی تیار نہیں ہوتا تھا، بڑی مشکل سے لوگوں نے اپنے ناک منہ پر کپڑا باندھ کر یونہی پانی بہا دیا۔ اور جلد از جلد قبرستان لے جا کر دفن کر دیا ——،

اب شمس الحق کا حال سنئے۔ یہ شخص جالندھر سے لائلپور آکر آباد ہوا۔ یہاں آکر بھی اس نے مسلم لیگی کارکن کی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر کام کرنا شروع کر دیا۔ جلسوں میں بڑے زور شور سے تقریریں کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک اخبار انصاف بھی جاری کیا، لیکن اس شخص کو کبھی چین نصیب نہ ہو سکا۔ راقم سطور نے بھی اسکو اچھی طرح دیکھا ہے، وہ بڑا بد مزاج اور زبان دراز شخص تھا۔ بھائی عطاء الحق کا بیان ہے کہ میں ڈی سی آفس میں بطور کلرک ملازم تھا۔ میرے پاس پریس سے متعلقہ کام بھی تھا، شمس الحق اخبار کے سلسلے میں اکثر میرے پاس آتا جاتا تھا۔ ۱۹۴۹ء کی ابتداء کا یہ واقعہ ہے کہ اخبار کے ڈیکلریشن کے سلسلے میں وہ میرے پاس آیا۔ اور تقریباً آدھ گھنٹہ کاغذات کی تکمیل کے سلسلے میں میرے پاس بیٹھا رہا۔ کاغذات مکمل کرنے کے بعد مجھے دے کر کچہری سے

چلا گیا۔ آخری دفعہ کچہری کے گیٹ پر اسے دیکھا گیا۔ اس کے بعد آج تک اس کا پتہ نہیں مل سکا۔ اس کے اغوا کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی، اخبارات کے ضمیمے شائع ہوئے۔ پاکستان بھر میں پوسٹر لگے، پتہ دینے والے کے لئے انعامات کا اعلان کیا گیا، انجمن مہاجرین جالندھر نے ملک گیر تحریک چلائی، کئی وفد وزیر اعظم لیاقت علی خان سے ملے، حکومت کی طرف سے یقین دہانیاں بھی ہوئیں لیکن جگر گوشۂ رسولؐ کی توہین کرنے والے شمی کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

میاں عبدالغنی قدیم متوطن محلہ عالی جالندھر مسلم لیگ کا سرگرم کارکن تھا، تقسیم ملک کے بعد لائلپور میں مقیم ہوا۔ شمس الحق عرف شمی کے ساتھیوں میں سے تھا، اخبار انصاف کا ڈیکلریشن اس کے نام تھا۔ آخر عمر میں اس کا دماغی توازن درست نہیں رہا تھا۔ وہ اکثر و بیشتر یہ کہا کرتا تھا کہ میری جو یہ حالت ہے یہ محض حضرت مدنیؒ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بقیہ اسلامی قانون سازی

لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ان کا اصل محرک فکری انقلاب ہے۔ جس نے بالآخر حکومتوں کو مجبور کر دیا کہ وہ معاشرتی ضروریات کے پیش نظر قانون میں مناسب گنجائش پیدا کریں۔ اس کو دوسرے الفاظ میں "مصلحت عامہ" کا تقاضہ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بالخصوص عائلی زندگی میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے مسلم ممالک اس نظریہ پر عمل پیرا ہوئے کہ فقہی احکام میں آئمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں اور جس مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے لئے سہولت و آسانی موجود ہو اس کو اختیار کر کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور ایسے احکام میں جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح احکام اوامر یا نواہی موجود نہ ہوں اور بوجوہ معقول ائمہ اربعہ کی "آراء" قابل قبول نہ ہوں تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جدید اسلامی قانون سازی میں متعدد احکام ایسے ہیں جو قدیم فقہ میں مباح یا مستحب درجہ رکھتے ہیں، ان کو جدید قانون سازی میں لازمی حیثیت قرار دے کر عدم تعمیل کی صورت میں سزا مقرر کر دی گئی ہے اور اسکی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ مصلحت عامہ کے پیش نظر (جو قرآن و سنت کے مغائر نہ ہو) اولی الامر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی مستحب فعل کو واجب قرار دے سکتا ہے۔ یہ مسئلہ کہ یہ اصول کس حد تک اسلامی قانون سازی میں رہنما اصول قرار پا سکتا ہے۔ ایک علیحدہ بحث کا طالب ہے۔